# مسلمانوں کے درمیان اتحاد
# اور اس کا عالمی امن میں کردار

از
محمد عماد الحق مفتی
اسسٹنٹ پروفیسر، عثمان انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (ہمدرد یونیورسٹی)
وزیٹنگ فیکلٹی ممبر آف شیخ زاید اسلامک سینٹر، یونیورسٹی آف کراچی

اس میں دو رائے نہیں ہیں کہ کسی قوم کی ترقی اور ملک کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ قومی اتحاد و یگانگت کو فروغ دیا جائے اور ان اوصاف کے بغیر کوئی قوم زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتی۔ اتحاد و یک جہتی کے بغیر قوم اندرونی خلفشار کا شکار ہو کر نہ صرف اپنا قومی تشخص کھو بیٹھتی ہے بلکہ دوسری قوموں اور ملکوں کی غلام بن کر رہ جاتی ہے۔ قومی اتحاد و یک جہتی اور اتفاق کے معنی ہیں کہ ملک کے تمام شہری اپنے ذاتی و گروہی، خاندانی و علاقائی وقار کو بالائے طاق رکھ کر ملکی مفاد کے خاطر کام کریں اور اپنے مستقبل کو قومی مستقبل سے وابستہ کر کے قومی وقار کو ہر چیز پر فوقیت دیں۔ اتحاد و اتفاق ہی سے قومی نصب العین کا حصول اور قومی وقار کی سر بلندی حاصل ہوتی ہے۔ اتحاد و اتفاق اور قومی یک جہتی ہر اجتماعی مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے۔ آپس کا تعاون اور مل جل کر کسی مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش ہی کا نام یکجہتی ہے۔ پاکستان کے عوام قومی اتحاد و یکجہتی کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی سے یہ احساس زیادہ شدید ہو گیا ہے کہ ملک میں ایسی سیاسی و مذہبی ہم آہنگی کی فضا پیدا کی جائے جس سے ہمارا قومی وجود زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو جائے تاکہ کوئی دشمن

ملک اور قوم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے ناطے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور اسی اتحاد و یکجہتی کی بدولت تمام مسلمان ایک اسلامی رشتہ سے منسلک ہیں اور اس اتحاد و یک جہتی کی ابتدا مٹھی بھر مسلمانوں سے ہوئی لیکن ۲۳ سال کی مختصر سی مدت میں سارے عرب اپنے اختلافات بھلا کر اسلام کے پرچم تلے جمع ہو گئے اور کچھ ہی عرصہ بعد دنیا نے یہ حیرت انگیز منظر بھی دیکھا کہ عرب وہی بدو جو قیصر و کسریٰ کے غلام تھے، روم و ایران کے تخت و تاج کے مالک بن گئے۔ اسلام نے رنگ و نسل قبیلے ذات امیر و غریب آقا و غلام کی تفریق مٹا کر ان میں وہ یکجہتی پیدا کر دی جسکی علامت مسلمانوں کی با جماعت نماز ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق سے متعلق میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے چند اصول اور مبادی زکر کر دوں کہ جس کے سمجھے بغیر نہ تو مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار کی جا سکتی ہے اور نہ ہی موجودہ صورتحال عالمی امن کا ضامن ہو سکتی ہے۔

۱۔ دین پر عمل کا معیار صحابہ کرام ہیں۔

۲۔ صحابہ کرام کی عدالت پر آپ ﷺ کا قول فیصل۔

۳۔ صحابہ کرام کے درمیان چند معاملات میں اختلاف رائے کی پیشن گوئی بذات خود آپ ﷺ نے کی ہے یہاں تک کہ بعض معاملات میں اختلافات کی صورت میں قول فیصل صحابہ کرام کا اجماع بھی رہا ہے اور یہ اجماع بھی امت محمدیہ کا خاصہ ہے جو کہ اس سے ماقبل شرائع میں ہمیں نہیں ملتا ہے۔

۴۔ مسالک کا ہونا اسلام کی افضلیت اور حقانیت کی واضح دلیل ہے۔

۵۔ مسالک کو برداشت نہ کرنا اور اختلاف رائے نہ رکھنا معاشرے لے لئے زہر قاتل ہے اور مختلف المسالک کا ہونا اور اختلاف رائے کا پایا جانا معاشرے لے لئے تریاق ہے۔

۶۔ اسلام اور ایمان دو مختلف چیزیں ہیں اور یہ دونوں شریعت کو مطلوب ہیں۔

۷۔ اختلاف رائے کا احترام ہی دنیا میں امن وامان کا ضامن ہے اور معاشرے کی ترقی کا ایک اہم عنصر اور جزو لاینفک ہے۔

۸۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہے کہ وہ اگر ملت کی یکجہتی اور اتحاد واتفاق کا اسلامی تصور چاہتے ہیں تو قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروضات کو قائم کرے، منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلامی کے احیاء واعلاء اور اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذاہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیمات کا انتظام کرے۔

۹۔ اسلامی مملکت میں اتحاد و یگانگت کے لئے وہ مسلمانان عالم میں رشتہ اخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر لسانی، نسلی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

۱۰۔ اسی طرح ملک کی تمام رعایا کو وہ تمام حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطاء کئے ہیں جن میں تحفظ جان ، مال، آبرو، آزادی مذہب، آزادی اظہار رائے، آزادی اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے یکساں مواقع، اور یہ تمام چیزیں ملت کی یکجہتی کو مضبوط بنا سکتی ہیں۔

۱۱۔ ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہونے چاہیئں جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

۱۲۔ مملکت اسلامیہ بلا امتیاز مذہب ونسل تمام لوگوں کی لازمی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہو۔

چنانچہ میں اپنے اس مدعا کے ثبوت کے لئے فردا فردا ان تمام مندرجہ بالا عنوانات کو تفصیل سے بیان کروں گا جو اصل میں اس موضوع کی روح ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کو آخری کتاب قرآن دے کر اس دنیا میں مبعوث

فرمایا اور یہ کتاب ایک مکمل ضابطہ ہے جو کہ انسانی زندگی کے ہر ہر پہلو سے بحث کرتا ہے اور تمام روز مرہ افعال سے متعلق احکامات فراہم کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی نے اسلام کو دین سے تعبیر کیا ہے نہ کہ مذہب سے کیونکہ لفظ دین میں عموم ہے بہ نسبت مذہب کے۔ مذہب کا تعلق اعتقادات اور احکامات سے ہوتا ہے جبکہ دین احکامات اور اعتقادات کے ساتھ ساتھ افعال اور معاملات سے بھی بحث کرتا ہے۔ قرآن کریم میں جا بجا ہمیں دین کا لفظ ملتا ہے۔

**وفی التنزیل العزیز---- ﴿ان الدین عند الله الاسلام ﴾[1]**

ترجمہ :

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے

**وفی التنزیل العزیز---- ﴿ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا ﴾[2]**

ترجمہ:

آج کے دن ہم نے مکمل کر دیا تمھارے لئے تمھارا دین اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں اور منتخب کیا تمھارے لئے اسلام دین۔

اسلام سے قبل جتنے بھی شرائع کا نزول ہوا ہے ان کے لیے اللہ تعالی نے مذہب کے لفظ کو استعمال کیا ہے جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے اسلام کے لیے دین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جن کے لئے ہم نہ صرف اس دنیا میں ہی مکلف نہیں ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی جب قبر میں جوابدہی کا آغاز ہو رہا ہے تو اس میں دین سے متعلق ہی پوچھا جا رہا ہے کہ تمھارا دین کیا ہے اور تمھارا مذہب کیا ہے۔

اسی دین کا پرچار کرنے کے لیے سرور کائنات محمد رسول ﷺ کو اللہ تعالی نے جب مبعوث فرمایا تو اس وقت مسلک کا وجود نہ تھا اس لیے کہ شارع علیہ السلام دین کسی تشریح اور توضیح کے لئے خود موجود تھے۔

صحابہ کرام کی جماعت کو دین کے معاملہ میں جو بھی توضیحات درکار ہوتیں تو وہ خود آپ ﷺ سے دریافت کرلیا کرتے تھے خواہ وہ معاملہ اجمالی جواب کا متقاضی ہوتا ہے یا تفصیل اور تدلیل کا۔ آپ ﷺ کے جہاں اور بہت سے معجزات ہیں وہاں ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ ﷺ کے ہر ہر قول اور فعل کو جو آپ ﷺ سے صادر ہوا صحابہ کرام کے ذریعے اس کو محفوظ کروالیا اور اب تک ان کے کسی نہ کسی قول وفعل پر عمل کرنے والے اس دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں موجود ہیں اور قیامت تک ان لوگوں کو اللہ تعالی باقی بھی رکھیں گے اس کا وعدہ اللہ تعالی نے اپنے نبی سے قرآن میں کیا کہ ﴿ ورفعنا لك ذكرك ﴾۔ کہ ہم آپ کے ذکر کو بلند کردیں گے۔ مندرجہ بالا نظریہ کو مزید سمجھنے کے لیے ہمیں چند چیزیں پہلے بطور تمہید سمجھنا ہوں گی جو کہ ملت کی یک جہتی اور اتحاد واتفاق کا ایک مکمل اسلامی تصور ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے نزول قرآن کے وقت لوگوں کے سامنے جب ایمان کی دعوت کو رکھا تو غیر مومن کو یہ ترغیب دی کہ وہ ایسا ایمان لائیں کہ جو ایمان صحابہ کرام کا ہے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے صحابہ کرام کو ایمان کا معیار بناتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿ واذا قيل لهم آمنو كما امن الناس ﴾ ۳۔

ترجمہ :

اور جب کہا گیا ان سے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ یہ لوگ ایمان لائے ہیں۔

اس مندرجہ بالا آیت میں جو لفظ الناس ہے اس میں الف لام عہد ذہنی ہے اور اس الناس سے مراد صحابہ کرام میں جن کے ایمان کو بطور نمونہ پیش کیا جارہا ہے اور کویں پیش نہ کیا جائے جبکہ صحابہ کرام کی عدالت پر اللہ تبارک وتعالی قرآن کریم میں یہ اعلان کررہے ہیں۔

وفی التنزیل العزیز :

﴿ لقد رضى الله عنه المئومنين اذ يبايعونك تحت الشجرة فعلم ما في قلوبهم ﴾ ۴۔

ترجمہ:

تحقیق راضی ہوا اللہ مومنوں سے جب وہ آپ سے بیعت در رہے تھے درخت کے نیچے سو اس نے معلوم کرلیا جو ان کے دلوں میں ہے۔

**وفی التنزیل العزیز ﴿رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ﴾ ۵ے**

ترجمہ:

اللہ ان سے راضی اور یہ اللہ سے راضی۔

**وفی التنزیل العزیز ﴿ولقد عفا عنکم﴾ ٦ے**

ترجمہ:

اور تحقیق اللہ نے معاف کردیا تم کو۔

**وفی التنزیل العزیز ﴿وقال الذین کفروا للذین امنوالوکان خیرا ماسبقونا الیہ﴾ ٦ے**

ترجمہ:

اور کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے جو ایمان لائے کہ اگر ہوتا بہتر تو نہ وہ پہل کرتے ہم پر اسکی طرف۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اچھے کاموں کی طرف فوری التفات کرنے والے تھے۔ ''**قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم**'' ۷ے

ترجمہ:

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جسکی بھی اقتدا کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔

تمام مسالک کی بنیادی صحابہ کرام کی آراء پر ہے اور کئی ایسے مسائل ہیں کہ جن کے بارے میں مختلف صحابہ کرام کی آراء بھی مختلف تھیں۔ چنانچہ اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مجتہد مطلق کے اساتذہ کا سلسلہ کسی نہ کسی صحابی پہ ختم ہوتا ہے خواہ وہ عبداللہ ابن عباس ہوں یا عبداللہ ابن عمر ہوں یا عبداللہ بن مسعود ہوں لیکن یہ بات اٹل ہے کہ یہ تمام حضرات ہدایت پر ہی تھے اوران میں سے جس کسی بھی اتباع کی جائے اس اتباع میں کامیابی ہی ہوگی۔ اگر وہ اتباع خارج میں کسی دوسرے کی اتباع سے مختلف ہو۔

**وفی التنزیل العزیز ﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس﴾ ۸**

ترجمہ:

کہ تم ہوا تنک ایسی بہترین جماعت کہ جس کو نکالا گیا لوگوں کے لئے۔

**قال رسو الله ﷺ ------ اصحابی اٗمنة امتی " ۹**

ترجمہ:

میرے صحابہ میری امت کے حافظ اور نگہداشت رکھنے والے ہیں۔

**قال رسول ﷺ ------ اصحابی کلهم عدول" ۱۰**

ترجمہ:

تمام صحابہ عادل ہیں۔

صحابہ کرام کے درمیان اختلاف رائے کی پیشنگوئی خود آپ ﷺ نے فرمادی تھی۔

اگر ہم آپ ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کو دیکھتے ہیں کہ جس میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں اوران میں سے جس کسی کی اتباع کروگے کامیاب ہوگے تو اس قول مبارک سے واضح طور پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ بذریعہ روحی اس امر پر مطلع تھے کہ کچھ معاملات میرے بعد صحابہ کرام کے درمیان ایسے

بھی ہوں گے کہ ان پر صحابہ کرام کا کلی طور پر اتفاق نہیں ہوگا بلکہ اس کام کے بارے میں مختلف صحابہ کرام کی آراء مختلف ہوں گی چنانچہ بداھتا اس سے یہ بھی ثابت ہوجاتا ہے کہ پھران کے بعد بھی یہ اختلاف تابعین میں ہوگا اور پھر یہی اختلاف تبع تابعین میں بھی رہے گا اور یوں مختلف مسالک وجود میں آئیں گے اس لیے کہ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ مسالک کی بنیاد انہیں ادوار میں رکھی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم اسی مسئلے کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تمام کے تمام مسالک اعتقاد کے اعتبار سے یقینی ہیں اور عمل کے اعتبار سے ظنی ہیں ۔لیکنیہ یقین اور ظن کا قول اس وقت صادر ہوگا کہ جب ایک مسئلہ دو مختلف مسالک کے درمیان دائر ہو نہ کہ اس وقت کہ جب ایک مسئلہ پر تمام مسالک کے درمیان اتفاق ۔خود آپ ﷺ کے یہ الفاظ "**بایھم اقتدیتم اھتدیتم**" کی طرف اشارہ کررہے ہیں ۔یعنی ایک طرف تو آپ مختلف مسالک کی پیشن گوئی کررہے ہیں جس میں اس بات کا خطرہ موجود تھا کہ ہر شخص اپنے آپ کو حق پر صحیح گردانتے ہوئے دوسرے کو غلط سمجھے گا اور یوں معاشرے میں لوگوں کے درمیان نفرت اور مناظرہ کی فضا پیدا ہوگی جو کہ ملکی اور بین الاقوامی طور پر امن وامان کے لیے خطرہ ہیں چنانچہ خود آپ ﷺ نے اس کے سدباب کے لئے ارشاد فرمادیا کہ جس کسی صحابی کی بھی اقتدار اور اتباع کی جائے اس میں کامیابی کامرانی کو یقینی سمجھا جائے ۔لیکن کسی شخص کو یہ اختیارات نہیں ہوں گے کہ وہ کسی مختلف عاملین پر تنقید کرے اور یوں بحث ومباحثہ و مناظرہ سے کسی چیز کا آغاز ہوجائے اور جنگ وجدل پر اس کا اختتام ہوجائے۔

چنانچہ مختلف مسالک کی اس بحث کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ تمام مسالک دین کے کئی افراد ہیں اور چونکہ مقصود تمام کے تمام مسالک میں دین ہی ہے اس لیے کہ دین اصل ہے اور تمام مسالک اس اصل کی مختلف توضیحات اور تشریحات ہیں تو عمل کسی بھی مسلک پر ہورہا ہو اس میں مقصود دین ہی ہوتا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے اشعار میں اسے یوں بیان کیا ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک

ایک ہی سب کا مذہب دین بھی ایمان بھی ایک

حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

چنانچہ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مختلف مسالک کا ہونا معاشرہ کے امن وامان کے لیے خطرہ نہیں ہے ہاں کسی بھی معاشرے میں مختلف مسالک کے ساتھ ساتھ عفوودرگزر اور rligious tolerance کا نہ ہونا اس معاشرے کے امن وامان کے لیے خطرہ ہے۔ پھر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر یہ مختلف مسالک نہ ہوتے تو اسلام میں flexibility بھی نہ ہوتی اور نہ ہی اسلام کے بارے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ ایک ایسا دین ہے کہ جو قیامت تک کے لیے نازل کیا گیا ہے اور قیامت تک نئے پیش آنے والے مسائل کا حل اس دین میں موجود ہے۔ پھر اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ نئے ظہور پذیر مسائل نے تمام مسالک کے حدود کو آپس میں بہت قریب کردیا ہے کا اور یہ عین ممکن ہے کہ ایک مسلک کے تحت عمل کرنے والے کے چند مسائل ایسے ہوں کی جن کا حل دوسرے مسالک میں موجود ہو۔ مگر یہاں اس بات کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ یہ مسائل انفرادی نوعیت کے نہ ہوں بلک اجتماعی نوعیت کے ہوں اس لیے کہ انفرادی نوعیت کے مسائل کا حل مختلف مسالک کی تعلیمات کے ذریعے نفسانی خواہشات کی عکاسی کرتا ہے جبکہ اجتماعی نوعیت کے مسائل کا حل مختلف مسالک میں عموم بلویٰ کی غمازی کرتا ہے۔

چونکہ اسلام سے قبل جتنے بھی شرائع اللہ تبارک وتعالی نے انسانوں کو دیئے تو ان میں مسالک کا وجود نہ تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاید یہ اسی وجہ سے تھا کہ اسلام سے قبل جتنے بھی شرائع نازل ہوئے وہ آخری نہ تھے اور حکمت اس کی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے انبیاء کرام کے توسط سے جتنے بھی شرائع انسانوں کو عطا کیے بشمول اسلام کے تو ان سب کے لیے ایک وقت معین مقرر کیا اس فرق کے ساتھ کہ اسلام سے قبل جتنے بھی شرائع نازل ہوئے ان کے لیے ناسخ بعد میں آنے والی شریعت تھی لیکن اسلام کے لیے ناسخ کوئی ایسی شریعت نہیں کہ جس کا نزول قرآن کے بعد ہو بلکہ اس کے لئے اللہ

تعالیٰ نے جو ناسخ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہ اس کائنات کا ختم ہو جانا ہے۔ چونکہ یہ کتاب قیامت تک کے لیے آخری کتاب کے طور پر نازل ہوئی ہے تو اس کتاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصول کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی چیزیں مرحمت فرمائیں کہ جن میں flexibility پائی جاتی ہے۔ اور لوگ زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات اور ماحول کے اعتبار سے قیاس، اجتہاد، اجماع اور استحسان کے ذریعے اپنے سامنے نت نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کریں۔ چنانچہ اجتہاد آپ ﷺ کی امت کی خصوصیات میں سے ہے اور اس اجماع اور اجتہاد کی حقانیت پر قرآن وسنت مین بے شمار دلائل پائے جاتے ہیں اور ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

وفی التنزیل العزیز ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المئومنین نوله ما تولیٰ ونصله جهنم وسائت مصیرا﴾ [11]

ترجمہ:

اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ کے رسول کی بعد اسکے کہ واضح ہو چکی اس پر سیدھی راہ اور چلے سب مسلمانوں کے رستے کے خلاف تو ہم حوالہ کریں گے اسکو اسی طرف جو راہ اس نے اختیار کی اور ڈالیں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

وفی التنزیل العزیز ﴿واعتصموا بحبل الله جمیعا ولا تفرقوا﴾ [12]

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو۔

قال رسول الله ﷺ لا تجتمع امتی علی الضلالة " [13]

ترجمہ:

میری امت ضلالت اور گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی ہے۔

قال رسول الله ﷺ لم یکن الله الجمع امتی علی الضلالة" [14]

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ میری امت کو ضلالت پر جمع نہیں کریں گے۔

**قال رسول الله ﷺ ما راٰه المئومنون حسنا فھو عند الله حسن" ۱۵**

ترجمہ:

جس چیز کو مسلمانوں نے حسن سمجھا وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے۔

**قال رسول الله ﷺ يدالله على الجماعة ومن يشذ شذ فی النار " ۱۶**

ترجمہ:

جماعت اللہ کے زیر سایہ ہے اور جو جماعت سے الگ ہوگا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

**عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان الشيطان ذئب الانسان كذئب الغنم ياخذالشاذه والقاصية والناحية واياكم والشعاب وعليكم بالجماعة "۱۷**

ترجمہ:

شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ بکریوں کے بھیڑیوں کی طرح کہ اکیلی ہونے والی الگ ہونے والی اور ایک طرف ہونے والی کو کھا جاتا ہے۔ تم لوگ قبیلوں اور برادریوں میں بٹنے سے بچو تم پر جماعت کیساتھ ہونا لازم ہے۔

یہ مندرجہ بالا تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت اجتماعی طور پر خطاء سے معصوم ہے یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ پوری امت گمراہی پر اتفاق کرلے۔

یقیناً جب معاملہ اجتہاد کا آتا ہے تو مجتہدین کی آراء بھی کسی مسئلہ کے حل کی بابت مختلف

ہوسکتی ہیں چنانچہ ایسی صورت میں زیادہ ضرورت tolerance کی ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی رائے کا احترام کرے اور پھر جس مجتہد کی رائے پر اجماع ہو جائے اس کے اجتہاد کے انعقاد کی کوشش کی جائے اور معاشرے میں اس رائے کو نافذ کرنا چاہیے۔ یہاں صرف یہ بات قابل ذکر ہے اور میں یہ چاہوں گا کہ اس کا ذکر اسی مقام پر کروں کہ کسی معاشرے میں انعقاد اجماع کے نفاذ کی شرائط کیا کیا ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اس بارے میں فقہا کی مختلف آراء ہیں کہ انعقاد اجماع کے وقت کن کن چیزوں کو مدنظر رکھا جائے۔ صاحب حسامی نے اس مسئلے کے ذیل میں چار اقوال نقل کیے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں۔

### القول الاول:

جمہور علما اس بات کے قائل ہیں کہ انعقاد اجماع کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمام مجتہیدین کسی حکم پر اتفاق کرنے کے بعد مر جائیں۔ بلکہ اگر تمام مجتہدین کسی کام پر اتفاق کرنے کے بعد بقید حیات ہیں بھی تو یہ اجماع منعقد ہوگا۔ اور ان مجتہدین کا اس اجماع سے رجوع کرنا جائز ہوگا۔

### القول الثانی:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام مجتہدین کا کسی حکم پر اتفاق کرنے کے بعد مر جانا انعقاد اجماع کیلیے شرط ہے۔ چنانچہ اگر اجماع کرنے والے تمام مجتہدین میں سے ایک مجتہد بھی زندہ ہوگا تو یہ اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ لیکن کسی کام پر اتفاق کر لینے کے بعد یہ تمام مجتہدین یا ان میں سے بعض یا ان کے علاوہ اس اجماع سے رجوع یا اس اجماع کی مخالفت کر سکتے ہیں اس لئے کہ اجماع ان تمام مجتہدین کے مرنے کے بعد منعقد ہوگا تو زندگی میں اس اجماع سے رجوع بھی درست ہوگا۔

### القول الثالث:

تیسرا قول امام ابو اسحٰق کا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ اجماع کے انعقاد کے لیے مجتہدین کا مر جانا یہ اجماع سکوتی میں شرط ہے۔

**القول الرابع:**

چوتھا قول امام الحرمین کا ہے کہ اجماع کی بنیاد اگر قیاس ہے تو اس کے انعقاد کے لیے مجتہد کا مرجانا شرط ہوگا اور اگر اس کی بنیاد نص قطعی ہے تو تمام مجتہدین کا مرجانا انعقاد اجماع کے لیے ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ ان کی زندگی میں بھی وہ اجماع منعقد شمار ہوگا۔

زیر نظر بحث میں ایک اہم نکتہ سامنے آتا ہے کہ اجتہاد اور اس کے بعد اسکے نتیجہ میں رونما ہونے والے اجماع اپھر اس اجماع کے معاشرے میں نفاذ کے لئے ماحولیات کا عمل دخل ہونا بھی لابدی ہے۔ میرے خیال میں اگر ہم اسلام کو ایک آفاقی مذہب گرادنتے ہیں تو ہمیں اس globalization میں مسالک کی حدود اور دائرے دوقدرے بڑھانا پڑے گا اور از سر نو مسالک کی محدودات کا مطالعہ کرنا پڑے گا۔ دنیا میں تیزی سے آنے والی تبدیلیوں کے نتیجے میں یہ ضروری نہیں کہ حنفی مسلک کی اقتداء واتباع کرنے والے لوگوں کے تمام مسائل کا حل اسی فقہ میں موجود ہو۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ حنفی مسلک کے لوگوں کے چند مسائل کا حل فقہ حنفی میں نہ ہو بلکہ کسی اور مستند فقہ کے اصولوں کے مطابق ہو۔ چنانچہ ایسی صورت میں فقہاء کرام کی ماضی کی رائے پر بھی نظر ثانی کرنی ہوگی کہ **تداخل فی المذاهب** جائز نہیں ہے یعنی ایک شخص اگر حنفی مسلک کی تقلید کررہا ہے تو اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ چند معاملات میں حنفی رہتے ہوئے کسی اور مسلک کی اتباع کرے۔ لیکن موجودہ دور میں رونما ہونے والی تبدیلیاں ہمیں پھر یہ سوچنے پر مجبور کررہی ہیں کہ اگر اسلام ایک آفاقی مذہب ہے تو اس آفاقی مذہب میں یہ قید کیا حیثیت رکھتی ہے کہ جس پر بسا اوقات خود ایک ہی مسلک کے لوگوں کا عمل کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے باقی زیر نظر مضمون میں میں اس کا زکر کر چکا ہوں کہ اگر ایک مسلک پر عمل کرنے والا کبھی دوسرے مسلک سے اپنا متدل تلاش کرتا ہے تو اس میں اس کی اپنی نفسانی خواہشات کا عمل دخل نہیں ہونا چاہئے۔

چنانچہ ان مدرجہ بالا تشریحات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسالک کا وجود اسلامی ریاست کے لئے خطرہ ہرگز نہیں ہے بلکہ tolerance کا نہ ہونا اسلامی ریاست کے لئے بہت نقصاندہ ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق پلٹیں تو ہمیں محمد بن قاسم کے دور میں بہت سے

فلاحی کام نظر آئیں گے جن میں سے بعض مدرجہ ذیل ہیں۔

1- Establishment of sea ports at Malabar and Sumandar.
2- Introduction of coin age system which replaced barte system.
3- Introduction of decimel system.
4- Devotion to scientific and pure Islamic education.
5- Establishment of Military contonments in the city of Debul, Nerunkot and Sehwan.
6- Making sind a Darul Islam.

مگر ان تمام اقدامات کے پس منظر میں یقیناً کچھ زریں اصول کارفرما تھے۔ تمام مورخین اس بات پر شاہد ہیں کہ محمد بن قاسم نے ریاست میں رہنے والی رعایا کو مذہبی آزادی، آزادی اظہار رائے، عبادات کے مختلف طریقوں پر عدم ممانعت، انصاف کی فراہمی اور ہر ایک کو برابری کی سطح پر حقوق فراہم کیے۔ چنانچہ اگر آج بھی ان سنہری اصولوں پر اگر عمل کیا جائے جو محمد بن قاسم نے اسلامی ریاست میں قرآن وسنت کی روشنی میں متعارف کروائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی ریاست اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام رہے۔

## حوالہ جات


۱۔ سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۲۱

۲۔ سورۃ المائدۃ، آیت نمبر ۳

۳۔ سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۱۳

۴۔ سورۃ الفتح، آیت نمبر ۱۸

۵۔ سورۃ البینۃ، آیت نمبر ۸

۶۔ سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۵۲

۷۔ سورۃ الاحقاف، آیت نمبر ۱۱

۸۔ فیض سبحانی ج ۲ ص ۹، قدیمی کتب خانہ

۹۔ سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰

۱۰۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۹

۱۱۔ سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۱۵

۱۲۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۶

۱۳۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۶

۱۴۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۶

۱۵۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۶

۱۶۔ فیض سبحانی ج ۲، ص ۶

۱۷۔ سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۰۳